

خاندانی منصوبہ بندی کا قرآنی تصور

سَيِّدُ مَدْرَةِ اللَّهِ فَاطِمَةُ

یہ مقالہ خاندانی منصوبہ بندی کی اس مجلس مذاکرہ میں پڑھا گیا جو بہ تقریباً عشرہ اصلاحات و ترقی
تاریخ ۱۶ اکتوبر ۱۹۷۷ء، بمقام اسلام آباد، زیر صدارت جناب انور عادل، ستارہ قائد اعظم،
سی۔ ایس۔ پی، منعقد ہوئی۔ _____ مدیر

تہیہ

مذہب و فلسفہ کی تاریخ میں دو متضاد رجحانات پائے جاتے ہیں۔ ایک طرف رہبانیت یعنی ترک دنیا
کی تلقین کی جاتی رہی ہے تو دوسری طرف تسخیر دنیا کی تعلیم دی گئی ہے۔

ہندوستان کے تینوں بڑے مذاہب یعنی ہندو دھرم، بودھ مت اور جین مت رہبانیت کے قائل
ہیں۔ مشرق وسطیٰ کے مذاہب میں مسیحیت اور بالخصوص اس کے کیتھولک فرقہ کا بھی یہی مسلک رہا ہے۔
ان مذاہب کے نزدیک جوگیوں، سنیا سیوں، راہیوں اور ننوں کی تخریب کی زندگی ہی مثالی (آئیڈیل) زندگی
ہے۔ رشتہ ازدواج کو یہ مذاہب مانتے ہیں مگر بدرجہہ مجبوری۔ یہ شادی بیاہ کی صرف اس لئے اجازت دیتے
ہیں کہ اس کے بغیر انسانی نسل باقی نہیں رہ سکتی۔ ان کے نزدیک ازدواجی زندگی کا واحد مقصد افزائش نسل
ہے۔ یہ عورت کو محض ماں کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ اس کی اپنی ذاتی کوئی حیثیت نہیں۔ یعنی مسیحی فلسفہ
کی زبان میں عورت کی اپنی کوئی روح نہیں۔ وہ تو نیچے پیدا کرنے کا ایک ذریعہ ہے اور بس۔ ہندو دھرم نے
اس پر اضافہ یہ کیا ہے کہ اس کے نزدیک اس عورت کی عزت ہے جو بیٹوں کی ماں ہو۔ صرف بیٹیاں جننے والی
عورت بھی منحوس ہے مگر چہ بانچھ اور بیوہ سے کم۔ ہندو سماج میں بیٹوں کی یہ اہمیت اس لئے ہے کہ اگر مرنے والے
کا کریاکرم (آخری رسوم) کرنے کے لئے بیٹیا موجود نہ ہو تو مردہ کو ملکتی (نجات) حاصل نہیں ہوتی۔ اس لئے
ہندوؤں کے خیال میں زیادہ سے زیادہ بیٹے پیدا کرنے چاہئیں تاکہ مرتے وقت ارتھقی (لاش) کو آگ دکھانے کے
لئے کوئی نہ کوئی بیٹا موجود ہو۔

ان مذاہب کے مقابلہ میں اسلام تسخیر کائنات کی دعوت دیتا ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ
سَخَّرَ لَكُمْ مِمَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اللہ نے یہ

فِي الْأَرْضِ (۳۱: ۲۰ و ۴۵: ۱۳)

یہ سب تمہارے لئے مسخر کر دیئے ہیں۔

قرآن حکیم میں حکم دیتا ہے کہ

وَلَا تَنْتَهِبُوا مِمَّا آتَاكُم بِهَا اللَّهُ مِنَ الْأَرْضِ

اس دنیا میں جو تمہارا حصہ ہے اسے ہرگز فراموش نہ کرو۔

وہ ہدایت کرتا ہے کہ ہماری آرزوی ہو کہ

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ

لے ہمارے پروردگار! ہمیں اس دنیا میں بھی بھلائی عطا

حَسَنَةً۔ (۲: ۲۰۱)

فرما اور آخرت میں بھی۔

قرآن حکیم آسائش اور آرائش بخشنے والی چیزوں کو اللہ کی زینت بتاتا اور کہتا ہے کہ یہ سب چیزیں ہم نے

اپنے بندوں ہی کے لئے پیدا کی ہیں۔ انہیں انسانوں پر حرام کرنے والا کون ہوتا ہے؟

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ

کہہ دیجئے (لے پیغمبر!) کہ اللہ کی زینت جو اس نے اپنے

بندوں کے لئے پیدا کی، اسے حرام کس نے کیا؟

لِيُبَادِيَہ (۴: ۳۲)

قرآن حکیم کی رو سے عورت کا وظیفہ حیات اور اس کا مرتبہ

زندگی کے مثبت نظریہ کے تحت اسلام عورت کو اس کا عظیم مرتبہ اور رشتہ ازدواج کو اس کی صحیح

قدر بخشتا ہے۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ

هُنَّ لِبَاسٍ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (۲: ۱۸۷)

عورت اور مرد کا چوٹی دامن کا ساتھ ہے۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ (۲: ۲۲۸)

عورتوں کے جیسے فرائض ہیں ویسے ہی ان کے حقوق بھی ہیں۔

قرآن مجید اس بدیہی حقیقت سے ہرگز انکار نہیں کرتا کہ عورت کے بغیر نسل انسانی باقی نہیں رہ سکتی۔ وہ

اسے کھیتی سے تشبیہ دیتا ہے۔ اس لئے کہ دنیا کی رونق کھیتوں ہی کے دم سے قائم ہے۔ وہ کہتا ہے کہ

رِسَاءُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَا تَوْلَوْكُمْ نَعْمَ

تمہاری بیویاں تمہاری کھیتی ہیں تو تم اپنی کھیتی کے پاس

أَنْ تَشْتُمُوا وَقَدْ مَوَّالٍ لَفَسِكُمْ (۲: ۲۲۳)

جس طرح چاہو آؤ اور اپنے واسطے آگے کی تذبذب کرو۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ یہ تشبیہ اس نے محض ضمناً دی ہے برسیل مذکورہ۔ وہ عورت کی خلقت کا

مقصد افزائش نسل ہرگز قرار نہیں دے رہا ہے۔ اسے تو یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ جنسی فعل جس طرح چاہو

لے قرآن مجید کے تمام حوالوں میں پہلے سورہ کا نمبر شمار درج کیا گیا ہے اور پھر آیت کا۔

انجام دو، اس بارے میں خدا کی طرف سے کوئی روک ٹوک نہیں۔ البتہ اس کے انجام اور اپنے مستقبل کی طرف سے ہرگز بے فکر نہ ہو۔ جنسی فعل کا ثمرہ بیٹے یا بیٹی کی پیدائش کی صورت میں ظہور پائے یا سرے سے یہ کھیتی بار آور نہ ہو، اس سے قرآن کو کوئی سروکار نہیں۔ بلکہ وہ تو واضح طور پر یہ کہتا ہے کہ

يَهَبُ لِمَن يَشَاءُ اِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَن يَشَاءُ الذُّكُورَ اَوْ يَزْوِجُهُمْ ذُكْرَانًا وَاِنَاثًا وَيَجْعَلُ لِمَن يَشَاءُ عَاقِبًا۔
 اللہ جسے چاہتا ہے، بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے، بیٹے بخشتا ہے۔ یا ان کو بیٹے اور بیٹیاں دونوں عطا فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے، بے اولاد رکھتا ہے۔ (۲: ۴۹-۵۰)

یہاں ایک لطیف نکتہ یہ ہے کہ قرآن حکیم نے سب سے پہلے بیٹیوں کا ذکر کیا ہے: يَهَبُ لِمَن يَشَاءُ اِنَاثًا۔ وہ جسے چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے۔ ماں، بیٹی اور بیوی، ان تینوں حیثیتوں میں سے اسلام عورت کو بیٹی کی حیثیت میں سب سے بلند درجہ بخشتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہی عورت کی بنیادی حیثیت ہے۔ خدیجہ الکبریٰ، عائشہ صدیقہؓ اور فاطمہ الزہراءؓ یعنی مثالی ماں، مثالی بیوی اور مثالی بیٹی، تینوں کا مرتبہ ارفع و اعلیٰ ہے۔ لیکن سَيِّدَةُ النِّسَاءِ فَاطِمَةُ الزَّهْرَاءِ تمام عورتوں کی سرداری نور دیدہ رسول فاطمہ متول ہی کو حاصل ہے۔ عَلَيْهَا وَعَلَىٰ وَالِدَيْهَا وَاَبَائِهَا وَرُؤُسِهَا الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ۔
 قرآن حکیم کی روشنی میں ازدواجی زندگی کا مقصد

قرآن حکیم کے نزدیک ازدواجی زندگی کا حقیقی مقصد سکون، محبت اور رحمت کا حصول ہے۔ اکیسویں پارے کی سورہ الروم کی اکیسویں آیت ہے:

وَمِنَ آيَاتِهِ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (۳۰: ۲۱)

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تم مردوں کے لئے تمہاری ہی جنس میں سے بیویاں پیدا کیں۔ تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے آپس میں مودت اور رحمت کے جذبات پیدا کئے۔ یقیناً اس

میں فکر کرنے والی قوم کے لئے نشانیاں ہیں

اس آیت کا پہلا قابل غور ٹکڑا ہے۔

لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا۔ تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو۔

قرآن کا لفظ "سکون" اپنے اندر جہانِ معنی پوشیدہ رکھتا ہے۔ امامِ رابعِ اصفہانی نے اس کے معانی سے بحث کرتے ہوئے اس کے دو مفہوم متعین کئے ہیں۔ ایک "ثَبُوتُ الشَّيْءِ بَعْدَ تَحَرُّكِهِ" یعنی ہیجان اور حرکت کے بعد کسی چیز کا قرار و ثبات حاصل کر لینا۔ دوسرے "اِسْتِطْلَاقٌ" یعنی گھر بسانا، سکونت اختیار کرنا۔ "لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا" میں لفظ "سکون" کے یہ تمام مفہوم مضمّن ہیں۔ عورت ہی کے دم سے گھروں کی آبادی ہے۔ اسی کے دامن میں قرار و ثبات ہے۔ اسی کا وجود و جِطْرِ اِنِيت و سکون ہے

نفاست و محبوبیت اور سکون افزائی و سکونت بخشی تو عورت کی منفرد خصوصیات ہیں۔ لیکن ازواج کا تقاضا ہے کہ کچھ اوصاف مرد اور عورت، شوہر اور بیوی میں اس رشتہ کی رُو سے مشترک ہوں۔ ان کی نشاندہی کرتے ہوئے قرآن حکیم فرماتا ہے: وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً۔

لفظ "مَوَدَّةً" کے مادہ "وَدَّ" کی تشریح کرتے ہوئے امامِ رابعِ اصفہانی فرماتے ہیں: "مَحَبَّةُ الشَّيْءِ وَ مَتَّعِي مَكُونِهِ" یعنی کسی چیز سے محبت کرنا اور اس کے ہونے کی تمنا کرنا۔ گویا مودت محض محبت نہیں بلکہ آرزو بھی ہے۔ میاں بیوی ایک دوسرے کے لئے صرف جہانِ محبت نہیں بلکہ جانِ تمنا بھی ہیں۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات میں محبت کو نہیں مودت کو شامل کیا ہے، جو جذبہٴ محبت کا مکمل تر مظہر ہے۔ چنانچہ اسمائے حسنیٰ میں سے ایک پیارا نام ہے: اَلْوَدُودُ۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

اِنَّ رَبِّي رَحِيْمٌ وَدُوْدٌ (۹۰: ۱۱) بے شک میرا پروردگار رحیم اور ودو ہے۔

لفظ "رَحْمَةً" کے لغوی معنی سے بحث کرتے ہوئے امامِ رابعِ اصفہانی اس کی یوں تشریح کرتے ہیں: "رِقَّةٌ تَقْتَضِي الْاِحْسَانَ اِلَى الْمَرْحُومِ" یعنی وہ نرم دلی جو کسی کو دوسرے پر احسان کرنے کے لئے مجبور کرے۔ امامِ رابع کی یہ توضیح بہت تشنہ ہے۔ اور اس کی پوری تشریح ایک دفتر کی مقصفتی ہے۔ کیوں نہ ہو جب کہ یہ اللہ کی رحمت ہے، جو پوری کائنات کو محیط ہے۔ اللہ خود ارشاد فرماتا ہے:

وَ رَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (۲: ۱۵۶) اور میری رحمت تمام اشیاء کو محیط ہے۔

لے امامِ رابعِ اصفہانی قرآن مجید کے الفاظ کے مشہور اور مستند شارح ہیں۔ یہاں ان کی قرآنی لغت کی کتاب "المفردات فی غریب القرآن" کے حوالے دیئے گئے ہیں۔

اللہ کی صفاتِ رحمانی و رحیمی کی مظہر ہے یہ حقیقت کہ اس نے اپنی صفاتِ مودت و رحمت و رحمتِ زوہدین کو عطا فرمائیں اور رشتہ ازدواج کی بنیاد شوہر اور بیوی کے آپس میں مودت و رحمت کی صفات کی تخلیق پر رکھی۔ وَلَهُ الْحَمْدُ!

آیت کے اختتام پر ارشاد ہوتا ہے کہ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۔ اللہ کی یہ نشانی ان کے لئے ہے۔ یعنی رشتہ ازدواج سکونِ بخش، محبت افزا اور باعثِ رحمت صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو عقل و فکر سے کام لیتے ہیں۔ تو آئیے، ذرا اس آیت پر ایک بار پھر غور کریں اور سوچیں کہ آیا گھر کا سکون، میاں بیوی کی آپس کی محبت اور معاشی فراغت کی رحمت اس کنبہ کا حصہ ہے، جہاں بچے ایک سوچے سمجھے ہوئے منصوبہ کے تحت کلمِ عدم سے وجود میں آئے ہوں یا جہاں اندھا دھند بچوں کی ریل پیل ہو۔ مجھے تو یقین ہے کہ قرآن حکیم کی اس آیت کی رو سے رشتہ ازدواج کا حقیقی مقصد حصولِ سکون و محبت و رحمت ہے اور ہمیں خاندانی منصوبہ بندی کو اسی اور صرف اسی معیار پر جانچنا ہے۔

عربِ جاہلیت کے معاشرہ میں بیٹوں اور بیٹیوں کا مقام اور اس بارے میں قرآن کا موقف

ہندو سماج کی طرح عربِ جاہلیت کے معاشرہ میں بھی بیٹی کا کوئی درجہ نہ تھا۔ بیٹی معاشرتی طور پر ان کے لئے ایک بنگ تھی اور معاشی لحاظ سے ایک بوجھ اس کے برخلاف بیٹے باعثِ فخر تھے اس لئے کہ ان سے نسل چلتی تھی اور نسب کا غور قائم رہتا تھا۔ وہ مستقل دولت تھے۔ اس لئے کہ جنگ و جدال میں کام آتے تھے۔ لوٹ مار کر کے گھر میں مال لاتے تھے۔ اونٹوں اور بکریوں کے ریوڑ چرانا اور تجارت کے قافلے لانا اور لے جانا بھی ان ہی کا کام تھا۔ زرعی اور صنعتی معیشت میں عورت افزائشِ دولت میں مرد کا ہاتھ بٹاتی ہے۔ لیکن عربِ جاہلیت میں کھجوروں کے چند نخلستانوں کو چھوڑ کر نہ کھیتی باڑی تھی نہ کوئی اہم صنعت و دستکاری۔ ان کی معیشت کا انحصار گلہ بانی اور بین الاقوامی بحری و بری تجارت پر تھا اور ان میں سے کسی میں بھی عورت مدد نہیں کر سکتی تھی۔ اسی لئے ولید بن مغیرہ جیسے قریش کے بڑے بڑے سردار بیٹیوں کی کثرت پر گھمنڈ کرتے تھے۔ قرآن حکیم نے انیسویں پارے کی سورہ القلم اور سورہ المدثر میں قریش کے ان سرداروں کی سرکشی کا سبب ہی یہ بتایا ہے کہ انہیں اپنے سرمایہ کی فراوانی اور بیٹیوں کی کثرت پر ناز تھا۔ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِيْنَ (۶۸: ۱۴) وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا مِّمَّا كَفَرْتُمْ بِآيٰتِ اللّٰهِ تَعَالٰی كِي تَشٰنِ قَهْرٰنِيْ اور اس کے غیظ و غضب کا سب سے نمایاں مظاہرہ ہی۔ ان میں اولاد کی کثرت پر گھمنڈ کرنے والوں کے لئے

تاریخہ عبرت ہے۔

اولاد کی کثرت پر ناز کرنا صرف ولید بن مغیرہ جیسے سردارانِ قریش ہی کی عادت نہ تھی بلکہ قرآن حکیم یہ کہتا ہے کہ کثرتِ اولاد پر بھروسہ کافروں کی عام علامت ہے۔

ہم نے جب بھی کسی سستی میں کوئی ڈرانے والا بھیجا تو وہاں کے سرمایہ داروں نے کہا کہ جو چیز تم دے کر بھیجے گئے ہو ہم اس کے قائل نہیں اور وہ یہ بھی کہتے تھے کہ ہم تو بڑی دولت والے اور بہت سی اولاد والے ہیں۔ ہمیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔

(۳۴: ۳۳-۳۵)

بِعَذَابِنَا

اسی لئے قرآن حکیم نے عمومی طور پر سرمایہ داری اور کثرتِ اولاد کی ہوس یعنی قرآن کے اپنے لفظوں میں ”تَكَثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ“ دونوں کی یکساں مذمت کی ہے (۵۷: ۲۰)

جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا تھا اعرابِ دورِ جاہلیت میں بیٹیوں کی نہیں بلکہ بیٹوں کی کثرت چاہتے تھے۔ اسی لئے قرآن حکیم نے جہاں عام کافروں کا نہیں بلکہ خاص قبیلہ قریش کے سرکش سرداروں کا ذکر کیا ہے (یعنی سورہ القلم اور سورۃ المدثر کی آیات میں) وہاں ”أَوْلَادٌ“ کا عام لفظ نہیں بلکہ ”بَنِينَ“ (یعنی بیٹیوں) کا خاص لفظ استعمال کیا ہے۔

بیٹیوں کے معاملہ میں عہدِ جاہلیت میں عرب انتہائی سنگدل واقع ہوئے تھے۔ وہ اکثر انہیں زندہ دفن کر دیتے تھے۔ یہ رسم قبائلِ مضر اور ربیعہ میں نسبتاً زیادہ عام تھی۔ قرآن حکیم نے ان کی اس ظالمانہ رسم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

وَإِذِ الْبَشَرِ أَحَدُهُمْ بِالْأُنثَى إِظْلَمَ
وَجْهَهُ مُسْوًى أَوْ هُوَ كَظِيمٍ يَتَوَارَى مِنَ
الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَبِهِ أَيَسْكَرُ
عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ أَلَا
سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ (۱۶: ۵۸-۵۹)

اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کے پیدا ہونے کی خوش خبری ملتی ہے تو اس کا منہ غم کے سبب کالا پڑ جاتا ہے۔ اور اس خوش خبری کو سن کر وہ لوگوں سے منہ پھپھاتا ہے کہ لڑکی کو زندہ رہنے دوں اور زلت پر داشت کروں یا اسے زمین میں گاڑ دوں۔ دیکھو تو ان کے فیصلے کتنے بُرے ہیں۔

ہر تو یہ ہے کہ بیٹی کو زندہ گاڑ دینے کی یہ شقاوت مائیں اکثر خود اپنے ہاتھوں سرانجام دیتی تھیں۔

اسی لئے قرآن حکیم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ جب آپ کے پاس عورتیں ایمان لانے کے لئے آئیں تو آپ ان سے جہاں مشرک، چوری اور زنا سے بچنے کی بیعت لیں، وہاں ان سے یہ وعدہ بھی کرائیں کہ

وَلَا يَفْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ (۱۲:۶۰) اوروہ اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی۔

قرآن حکیم نے ایک اور جگہ بڑے دل دوزانہ ذمہ فرمایا ہے کہ قیامت کے دن زندہ درگور لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ بیٹی! تو کس گناہ میں ماری گئی؟ وَإِذَا الْمَوْءَدَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ (۸۱: ۸-۹) حالی کو خدا عز و جل رحمت کرے، انھوں نے اپنے مسدس میں ان قرآنی آیات کا خلاصہ بہت خوبی سے پیش کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:-

جو ہوتی تھی پیدا کسی گھر میں دختر تو خوفِ شہادت سے بے رحم مادر
پہرے دیکھتی جب تھی شوہر کے تیور کہیں زندہ گاڑ آتی تھی اس کو جب کہ

وہ گود ایسی نفرت سے کرتی تھی خالی

جنے سانپ جیسے کوئی جننے والی

”وَأَدْبَانَات“ یعنی بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے کی اس سنگدلانہ رسم کا ایک سبب تو خوفِ شہادت تھا۔ دوسرا اور زیادہ اہم سبب معاشی تھا۔ یعنی جیسا کہ میں نے اوپر عرض کیا ہے، بیٹی جاہلی عربوں کے لئے معاشرتی طور پر عار اور معاشی لحاظ سے بار تھی۔ قرآن نے اس رسم کا قلع مٹانے کے لئے مکر اور مختلف پیرایوں میں اس کی مذمت کی ہے۔ چنانچہ معاشی فریب کو دور کرنے کے لئے ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشِيَةَ إِمْلَاقٍ
عَنْ سَرْقَتِهِمْ وَإِيَّاكُمْ أَنْ تَقْتُلَهُمْ
ان کو اور تم کو ہم ہی رزق دیتے ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ
ان کا مار ڈالنا بڑا سخت گناہ ہے۔

اسٹوری پارے میں سورہ الألقام کی آیت ۱۳۸، ۱۴۱ اور ۱۵۲ میں اسی مضمون کا اعادہ کیا گیا ہے۔ ان تینوں آیتوں میں قرآن نے لفظ ”أَوْلَاد“ استعمال کیا ہے، جس سے مراد بیٹیاں ہیں۔ چنانچہ امام ابن جریر طبریؒ سے لے کر علامہ سید قطبؒ تک تمام مستند مفسرین کا خیال یہ ہے کہ ان آیات میں ”وَأَدْبَانَات“

لے امام ابن جریر طبریؒ دورِ متقدمین کے عظیم مورخ، مفسر اور فقیہ تھے۔ ان کی تفسیر صحابہ تابعین اور تبع تابعین کی تفسیری روایات کا مستند ترین ذخیرہ ہے۔ علامہ سید قطبؒ موجودہ دور کے (باقی اگلے صفحہ پر)

کی بھیاناک رسم کا ذکر ہے۔ اور یہی صحیح ہے کیونکہ عرب جاہلیت کی تاریخ سے بیٹوں کے قتل کی کسی رسم کا پتہ نہیں چلتا ہے بلکہ جیسا کہ میں نے سورہ القلم اور سورہ المدثر کے حوالہ سے عرض کیا تھا، عرب جاہلیت

* نامور مصری عالم اور الاخوان المسلمون کے سیاسی رہنما تھے۔ آپ کی تفسیر "فی ظلال القرآن" بینیت تفسیری کا نام ہے۔ یہ تفاسیر آیات متعلقہ کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔ بالخصوص تفسیر طبری، مطبوعہ قاہرہ ۱۳۲۷ھ، جلد ۸ صفحہ ۳۲ و ۳۸ اور "فی ظلال القرآن" طبع ثانی، جلد ۸ صفحہ ۳۹

سے سیرت کی بعض کتابوں میں یہ فقہ نقل کیا گیا کہ سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جدا مجربناب عبدالمطلب نے منت مانی تھی کہ دس بیٹوں کو اپنے سامنے جوان دیکھ لیں گے تو ان میں سے ایک کو خدا کی راہ میں قربان کر دیں گے۔ خدا نے ان کی یہ خواہش پوری کی۔ اور نوبت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد ماجد کی قربانی درپیش تھی کہ آخر کار بات صرف سوا ونٹوں کی قربانی پر ٹل گئی۔ اس قصہ سے بعض اربابِ قلم کو دھوکہ ہوا ہے کہ عرب جاہلیت میں بیٹوں کی قربانی کی رسم عام تھی۔

ابن سعد نے طبقات میں (طبع بیروت ۱۹۵۷ء، جلد ۸ صفحہ ۸۸-۸۹) واقفی کی روایت سے مختصراً اور ابن ہشام نے سیرت میں (طبع مصر ۱۹۳۷ء، جلد ۱ صفحہ ۱۶۴ تا ۱۶۹) اور طبری نے تاریخ میں (طبع لیڈن ۱۹۶۴ء، جلد ۱ صفحہ ۷۰ تا ۷۹) ابن اسحاق کی روایت سے بالتفصیل اس قصہ کو نقل کیا ہے۔ بقول علامہ شبلیؒ "واقفی کی لغویابی مسلمہ عام ہے" (سیرۃ النبیؐ طبع ششم جلد ۱ صفحہ ۲۳) رہے ابن اسحاق تو وہ اس قصہ کو یوں شروع کرتے ہیں: "وَكَانَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ بْنِ هَاشِمٍ فِي مَائِزَةِ عُمَوْنَ (مَذْكُورًا طبری) وَاللَّهِ أَعْلَمُ قَدْ نَذَرَ (سیرت ابن ہشام صفحہ ۱۶۴-تاریخ طبری صفحہ ۷۰)۔ (لوگوں کا گمان یہ ہے یا بروایت طبری لوگ یہ چرچا کرتے ہیں کہ عبدالمطلب بن ہاشم نے منت مانی تھی لیکن حقیقت حال کو خدا بہتر جانتا ہے)" مجہول لوگوں کے گمان اور ان کے چرچا کرنے پر جس روایت کا انحصار ہو، وہ یقیناً سند کے قابل نہیں۔

اس کے باوجود موضوع زیر غور کے لحاظ سے ابن اسحاق کی روایت کا یہ ٹکڑا اہم اور لائق توجہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عبدالمطلب کی اس نذر کی خبر جب عرب میں پھیلی تو مختلف سردارانِ قبائل عبدالمطلب کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ لَئِنْ نَفَعْتَ هَذَا لَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَأْتِي بِأَبْنِهِ حَتَّى يَذْبَحَهُ فَمَا بَقَاءُ النَّاسِ عَلَى هَذَا (سیرت ابن ہشام صفحہ ۱۶۶، تاریخ طبری صفحہ ۷۰)۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

بیٹوں کی کثرت پر بڑا فخر کرتے تھے

ہمارے ملک کے بعض عالم بزرگوں نے وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةً إِمْلَاقٍ وَالِی آیت سے ضبطِ ولادت کی ممانعت کا مضمون حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ ضبطِ ولادت (عزل) کے جائز اور مباح ہونے کے بارے میں ایک ہنہن بلکہ متعدد صحیح حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں۔ اس کی تائید میں جلیل القدر صحابہ کرام کے آثار (اقوال) موجود ہیں جنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی چاروں فقہی مذاہب کے ائمہ اس کے جواز پر متفق ہیں۔ لیکن ہمارے یہ بزرگ عالم ان تمام صحیح احادیث، آثار اور اقوال سلف کو ماننے سے انکار کرتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک یہ سب کے سب اس قرآنی آیت کے خلاف ہیں۔ اگر اس آیت (اور اسی مضمون کی لبقیہ تین آیتوں) میں لفظ ”اولاد“ سے بیٹیاں ہی ہنہن بلکہ بیٹے بھی مراد لئے جائیں (حالانکہ ایسا کرنا قرآن حکیم کی بعض دوسری آیات اور تاریخی حقائق کے خلاف ہوگا) تب بھی اس آیت سے ضبطِ ولادت کی ممانعت ثابت کرنا حیرت انگیز بات ہے۔ اس موضوع پر مولانا محمد جعفر شاہ صاحب پھلواری نے جو دلچسپ تبصرہ فرمایا ہے، وہ اس لائق ہے کہ اسے ان کے الفاظ ہی میں بیان کیا جائے۔

”...سوال یہ ہے کہ مادہ منویہ کے جراثیم کو قتل کرنا قتلِ اولاد میں داخل ہے؟ کیا ایک گھٹلی کو برباد کرنے والے پرہم وہی تاوان لگا سکتے ہیں جو ایک درخت کو کاٹنے والے پر لگا لیتے ہیں؟ بگھٹلی درخت بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ پھر اس سے

✽ (اگر آپ نے ایسا کیا یعنی اپنے بیٹے عبداللہ کو قربان کر دیا تو اور لوگ بھی اپنے اپنے بیٹوں کو لاکر ذبح کرنے لگیں گے ایسی صورت میں نسلِ انسانی کے بچنے کی کوئی صورت نہ رہے گی) عرض اس روایت سے بھی یہ ظاہر ہوا کہ بیٹوں کی قربانی کی کوئی رسم عربوں میں نہ تھی۔ اسی لئے عبدالملک کے فعل سے عرب سرداروں کو ڈرتھا کہ کہیں یہ رسم نہ پڑ جائے۔ اکثر بیٹیاں تو زندہ درگور کر، ہی دی جاتی ہیں۔ اب بیٹے بھی مارے جانے لگے تو نسل کیسے باقی رہے گی۔

۳ مولانا محمد جعفر شاہ صاحب پھلواری نے اپنے رسالہ ”تحدید نسل“ اور پرنسپل رفیع اللہ صاحب نے خاندانی منصوبہ بندی پر اپنے متعدد رسالوں میں ان تمام روایات کو بخوبی جمع کر دیا ہے۔ ان کا اعادہ کرنا یہاں ضروری نہیں۔

نئے نئے درخت پیدا ہو سکتے ہیں لیکن گھٹی کو ضائع کرنے والا باغ کو برباد کرنے والا نہیں کہلا سکتا۔ اس طرح اولاد صرف وہی ہے جو جیتی جاگتی شکل میں پیدا ہو جائے۔ اسے قتل کرنا یقیناً ایک بدترین جرم ہے۔ آیت قرآنی میں اس کی ممانعت ہے نہ کہ مادہ تولید کو ضائع کرنے کی۔ پھر ہر شخص جانتا ہے کہ ہر وظیفہ جنس کئی ارب جراثیم زندگی (SPERMS) کو باہر لے آتا ہے۔ اور ان میں فقط ایک کو قدرت اولاد بننے کے لئے منتخب کر لیتی ہے تو کیا ایسی صورت میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انسان جان بوجھ کر ایک عدد اولاد کی خاطر کئی ارب اولاد کو قتل کر دیتا ہے؟ مادہ تولید کی امانت کو اولاد کا خون قرار دینا ایسی ہی شاعری ہے جیسے

مکس کو باغ میں جانے نہ دینا کہ ناحق خون پروانے کا ہوگا
 سچ پوچھئے تو اولاد کا خون اس وقت ہوتا ہے جب اولاد پر اولاد پیدا
 کئے جائیں اور جسمانی اور روحانی حیثیت سے زندہ رکھنے کا کوئی عسماں
 نہ کیا جائے۔“

”تجدید نسل“ شائع کردہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور۔ ص ۴۵-۴۶

قرآن اولاد کی کثرت کا نہیں اولاد کی صلاحیت کا طلب گار ہے۔

ہم نے دیکھا کہ عرب جاہلیت بیٹوں کی کثرت پر فخر کرتے تھے اور بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ قرآن نے جہاں ”وَأُدْبُنَاتُ“ (بیٹیوں کو زندہ دفن کر دینے) کی رسم کو ختم کیا اور عورت کو اس کا عظیم مرتبہ واپس دیا، وہاں اس نے بیٹے ہوں یا بیٹیاں، کثرت اولاد کی ہوس کی مذمت کی۔ اسے وہ ”تکاشرفی الاولاد“ کہتا ہے اور اس کو کفار کے کردارِ بد کی طرف منسوب کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو آیات ۳۴: ۳۵-۳۶ و ۵۷: ۲۰ و ۶۸: ۱۴ و ۷۴: ۱۲ جن کا حوالہ اوپر دیا جا چکا ہے۔

قرآن حکیم اولاد کی کثرت کی جگہ اولاد کی صلاحیت اور صلاحیت کو مطلع نظر بنانے کی دعوت دیتا ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی زبانی ہمیں تلقین کرتا ہے کہ ہماری آرزو یہ ہو کہ

رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً (۳: ۳۸)

اے میرے پروردگار! مجھے اپنی جناب سے پاکیزہ اولاد عطا فرما۔

انیسویں پارے کی سورہ الفرقان کے آخری رکوع میں جہاں "عِبَادُ الرَّحْمٰن" یعنی اللہ کے نیک بندوں کی سیرت کشتی کی گئی ہے، وہاں یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ نیک بندے وہ ہیں جو تمنا رکھتے ہیں کہ ان کی اولاد وہ ہو جو ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہو۔

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ اِمَامًا (۲۵: ۷۷) آنکھ کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا۔

اوپر ذکر آچکا ہے کہ قرآن حکیم کی تعلیم یہ ہے کہ بیویاں سکون قلب کا سرچشمہ ہوں۔ یہاں قرآن حکیم اسی مضمون کا اعادہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اللہ کے نیک بندوں کی بیویاں ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہونی چاہئیں۔ چھبیسویں پارے کے پہلے رکوع میں ماں کے احسانات کا ذکر کیا گیا ہے کہ کس طرح وہ حمل و وضع حمل اور

رضاعت کی شدید مصیبتیں جھیلتی ہے۔ عورت کو بچہ پیدا کرنے میں جو تکلیف اٹھانی پڑتی ہے، اس کا قرآن نے یہ تکرار اور بالتفصیل ذکر کیا ہے تاکہ مرد اسے نہ بھولیں۔ ساتھ ہی سچے مومنوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ خدا سے یہ چاہیں کہ ان مصیبتوں سے پیدا ہونے والی اولاد صالح ہو اور باصلاحیت۔ وَاصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي (۴: ۱۵)

حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے بیٹے کے واقعے سے قرآن حکیم ہمیں درس دیتا ہے کہ بُری اولاد تو سرے سے اولاد کہلانے کی مستحق ہی نہیں اور ناہنجارنا کارہ اولاد سے بہتر ہے کہ آدمی لادولہ ہو۔ قرآن کا ارشاد ہے: قَالَ يَا نُوحُ اِنَّهُ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ خدانے کہا کہ لے نوح! یہ بیٹا تمہاری اولاد میں سے نہیں ہے کیونکہ اِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُصَالِحٍ (۱۱: ۴۶) یہ تو مجھم بدکرداری ہے۔

الغرض قرآن حکیم یہ چاہتا ہے کہ اولاد پاکیزہ ہو۔ آنکھوں کی ٹھنڈک ہو نیک صالح ہو اور یہ صلاحیت رکھتی ہو کہ اس سے قوموں کی امانت کا کام لیا جائے۔ قرآن کیفیت (QUALITY) اور خوبی کا طلب گار ہے۔ کمیت (QUANTITY) اور تعداد کا نہیں۔ وہ جانتا ہے کہ مجموعہ مومنین سے شکوہ ملک و دین وابستہ نہیں۔ وہ کہتا ہے کہ دین و وطن کا دفاع کثرتِ تعداد پر منحصر نہیں۔

قرآن حکیم اس حقیقت کا برملا اظہار کرتا ہے: كَمْ مِنْ نَفْسٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً کتنی ہی چھوٹی جماعتیں ہیں جو بڑی جماعتوں پر حکم الہی بِاِذْنِ اللّٰهِ (۲: ۲۳۹) سے غالب آگئیں۔

قرآن حکیم کے اس ارشاد کی تائید میں تاریخ بار بار گواہی دیتی رہی ہے۔ دُور جانے کی ضرورت نہیں۔

ہمارے آپ کے اپنے زمانے کی بات ہے کہ ایک طرف مارشل پیتاں کے دور کا فرانس تھا، جو بزدلی اور اپنی صفوں میں غداروں اور غیر ملکی طاقتوں کے ایجنٹوں کے باعث ہٹلر کی فوجوں کے ہاتھوں شکست کھا گیا اور اس شکست کا الزام اس نے آبادی کی قلت کے سر ڈالا۔ دوسری طرف ستمبر ۱۹۶۵ء کا پاکستان ہے، جو اپنے سے پانچ گنی بڑی طاقت سے نبرد آزما ہوا اور باذن اللہ یہ دکھایا کہ

ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ غالب و کار آفرین، کارکش، کار ساز

تعداد کی کثرت پر بھروسہ میدان جہاد میں شکست کا سبب بنتا ہے۔ غزوہ بدر میں جب مسلمان مرتدین سو تیرہ تھے تو انھوں نے کفار کو شکست فاش دی۔ لیکن غزوہ حنین کے موقع پر جب ان کی فوج کی تعداد بارہ ہزار تک پہنچ گئی تو ان کے پاؤں اٹھ گئے۔ قرآن نے اس واقعہ کا ذکر یوں کیا ہے:

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَوَّاقَتْ عَلَيْكُمْ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ (۲۵: ۹)

اور حنین کی لڑائی کے دن جب کہ تمہیں اپنی کثرت تعداد پر بڑا ناز تھا۔ تو یہ تعداد تمہارے کام نہ آئی۔ اور زمین اپنی وسعتوں کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی اور تم اٹھے پاؤں بھاگ پڑے۔

خاندانی منصوبہ بندی کا معاشی پہلو قرآن حکیم کی روشنی میں

قرآن حکیم جس معاشی نظام کا داعی ہے، اس میں ہر فرد کو اس کی روزی کا سامان بھم پہنچانے کی ضمانت دی جاتی ہے:

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا (۱۱: ۶)

روئے زمین پر کوئی چلنے والا ایسا نہیں جس کی روزی کا سامان اللہ کے ذمہ نہ ہو۔

اب اگر دنیا کی آبادی کا بڑا حصہ پیت بھر کر کھانے تک سے محروم ہے تو اس صورت حال کی اصلاح وقت کی سب سے اہم اور اولین ضرورت ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب اچھی طرح سوچے سمجھے ہوئے منصوبہ کے تحت پیداوار بڑھانے اور خرچ کو بڑھانے سے روکنے کی انتھک کوشش کی جائے۔

بعض بزرگ ہمیں الٹی تدبیریں سمجھاتے ہیں۔ وہ دنیا کی بڑھتی ہوئی بھوک کے مسئلہ کو حل کرنے کے لئے سعی و عمل کی تلقین کی جگہ اللہ کی رزاقیت پر توکل کرنے کا سبق دیتے ہیں۔ حالانکہ قرآن حکیم کا اٹل فیصلہ ہے:

لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى (۵۳: ۳۹)

انسان کو صرف وہی ملتا ہے جس کے لئے وہ کوشش کرے۔

پیداوار اور خرچ کی نسبت کو متوازن بنانے کے لئے معیشت کے ہر شعبہ کی منصوبہ بندی ضروری ہے اور یہی قرآن حکیم کی تعلیم ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ خود خدائے ہر چیز کو ایک سوچے سمجھے ہوئے منصوبہ اور ایک مقررہ پیمانہ کے مطابق بنایا ہے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لِبَعِيْنٍ
وَمَا خَلَقْنَا هَهُنَا إِلَّا بِالْحَقِّ (۳۸: ۳۹) درمیان ہے، ان کو کھیل ہی کھیل میں نہیں پیدا کیا۔ ہم نے تو زمین و آسمان کو مصلحت سے بنایا ہے۔

إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ (۵۴: ۴۹) ہم نے ہر چیز ایک مقررہ اندازے اور پیمانے سے بنائی ہے۔
كُلُّ شَيْءٍ عِنْدَنَا بِمِقْدَارٍ (۱۳: ۸) ہر چیز خدا کے ہاں ایک مقررہ اندازہ سے ہے۔

خدائے جہاں ہر چیز کو خود اندازہ اور پیمانہ کے مطابق بنایا، وہاں ہر چیز کے لئے ایک پیمانہ مقرر کر دیا ہے۔
فَدَجَّلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا (۶۵: ۳) خدائے ہر چیز کے لئے پیمانہ بنا دیا ہے۔

ہمارا فرض ہے کہ ہم اس پیمانہ کو دریافت کریں کیونکہ ہم خدا کی امانت کے حامل (۳۳: ۴۲) اور زمین پر اس کے خلیفہ (۲: ۳۰-۳۳) ہیں۔

یوں تو زندگی کے ہر شعبہ میں مقررہ پیمانہ کی دریافت اور اس کے مطابق منصوبہ بندی ضروری ہے، لیکن تخلیقی عمل کے سلسلہ میں میاں بیوی کی ذمہ داری کہیں زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ اس کے اثرات ایک معصوم زندگی پر مرتب ہوتے ہیں۔ نتائج پر نظر کئے بغیر اس کا سرزد ہونا انتہا درجہ کی غیر ذمہ دارانہ بات ہے۔ ایسی بلا سوچی سمجھی غیر ذمہ دارانہ حرکت کے نتیجے کہنے کی معاشی حالت کے لئے دردناک ہو سکتے ہیں۔ قرآن حکیم اس قسم کی صورت حال کی نشان دہی کرتے ہوئے کہتا ہے :

وَلِيَخْشَى الَّذِينَ لَوْ نُرْكَبُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّتَهُ
وَأُولَادُكُمْ كَثْرَتٌ (۴: ۹) اور ان لوگوں کو ڈرنا چاہیے جو اس حالت میں ہوں کہ اپنے بعد ننھے ننھے بچے چھوڑ جائیں اور ان کو ان بچوں کے مستقبل کی طرف سے خوف ہو۔

بغیر کسی منصوبہ بندی کے بچے پیدا کرنے کی ایک انتہائی تکلیف دہ شکل یہ ہے کہ خود بڑھاپے کو پہنچ چکا ہو لیکن تکاشف الاولا د (اولاد کی کثرت کی ہوس) میں کمی نہ آئی ہو۔ یعنی قرآن حکیم کے لفظوں میں
أَلِهَآكُمُ التَّكَاثُرُ حَتَّىٰ آذَيْتُمُ الْمُقَابِرَ (۱۰۲: ۱۰۲) تمہیں کثرت کی ہوس نے انجام سے غافل رکھا۔ یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچے۔

اسی دنیا میں اس کے تباہ کن نتائج قرآن حکیم کی ایک خوب صورت تمثیل میں اس طرح واضح کئے گئے ہیں :

اَيُّودُ اَحَدُكُمْ اِنْ تَكُوْنُ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ
خَيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ
لَهُ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَاَصَابَهُ
الْكِبْرُ وَاُولَئِكَ ذُرِّيَّةٌ صُحُفًا فَاَصَابَهَا
اِعْصَارٌ وَّبِيْهٍ سَارٍ فَاصْتَرْقَتْ كَذٰلِكَ
يَسْبِغُ اللّٰهُ لَكُمْ الْاٰيَاتِ لَعَلَّكُمْ
تَتَفَكَّرُوْنَ (۲۶۶: ۳)

بھلا تم میں کوئی یہ چاہتا ہے کہ اس کا کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو، جس میں نہریں بہ رہی ہوں اور اس میں اس کے لئے ہر قسم کے میوے موجود ہوں اور اسے بڑھا پیا پکڑے اس حال میں کہ اس کے ننھے ننھے بچے ہوں۔ ایسے میں اس باغ پر جھلستی ہوئی آندھی چلے اور باغ جل کر ویران ہو جائے۔ اسی طرح (مثالوں کے پیرایہ میں) تم پر حقیقت کی نشانیاں واضح کر دیتا ہے تاکہ تم غور و فکر سے کام لو۔

یقیناً اس تمثیل میں داستانِ عبرت ہے اور جہانِ معنی، مگر ان کے لئے جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔

قرآن حکیم کی روشنی میں خاندانی منصوبہ بندی کا اخلاقی پہلو

خاندانی منصوبہ بندی کا اخلاقی پہلو اس کے معاشرتی رخ سے زیادہ اہم ہے۔ لیکن اب تک اس پر بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ اس بارے میں ہم چند نکات درج کرتے ہیں جو تدبیر فی القرآن کا عطیہ ہیں۔

(۱) وظیفہ جنس ادا کرنے وقت انسان اپنے آپکے میں نہیں رہتا۔ وہ اس کی انتہائی وارفتگی کا لمحہ ہوتا ہے۔ ایسے عمل کے ساتھ منصوبہ بندی اور پیش بینی کے جذبات کا وابستہ ہونا اور اس وقت بھی اپنے عمل کے عواقب کو فراموش نہ کرنا یقیناً مؤثر اخلاقی تربیت ہے۔

ضبطِ ولادت کے لئے ضبطِ نفس کم و بیش ضروری ہے۔ اور نفس پر قابو پانا ہی قرآن حکیم کی اخلاقی تعلیم کا پھول ہے۔ یہی تقویٰ (یعنی پرہیزگاری بچ کر چلنے کی عادت) کی اصل ہے۔ اسی کے لئے قرآن حکیم نے یہ بشارت دی ہے۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى
النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰی فَاتَّ الْجَنَّةَ هٰی
الْمَأْوٰی (۴۹: ۴۰-۴۱)

اور جو اپنے پروردگار کے سامنے پیش ہونے سے ڈرا اور اس نے اپنے نفس کو خواہشات سے روکا تو یقیناً جنت اس کا ٹھکانا ہے۔

(۲) روز قیامت پر یقین کی حکمت یہ ہے کہ انسان کل کے لئے توکل سے کام نہ لے بلکہ اسے اپنے فردا کی

سکر ہو :

وَلتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ (۱۸:۵۹) اور ہر شخص اس بات پر نظر رکھے کہ اس نے کل کے لئے کیا اٹھا کھا ہے۔
خانہ دانی منصوبہ بندی زندگی کے ایک اہم ترین شعبہ میں فکر فردا کی دعوت دیتی ہے۔

روزِ قیامت پر یقین ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ

كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ (۲۱:۵۲) ہر شخص اپنے عمل کے بدلہ میں گروی ہے۔ — یعنی

گندم از گندم بروید جو ز جو از مکانات عمل غاسل مشو لے

اور خانہ دانی منصوبہ بندی کے معنی یہ ہیں کہ میاں بیوی جنسی فعل کے نتائج اور اس کی ذمہ داریوں کو فراموش نہ کریں۔

”عورت کا وظیفہ حیات اور اس کا مرتبہ“ کے عنوان سے ہم نے نزوح ہی میں سورہ البقرہ کی آیت ۲۲۳

کے پہلے حصہ کے مضموم کے بارے میں اپنی معروضات پیش کی تھیں۔ یہاں یہ ضروری ہے کہ ہم اس کے بقیہ حصہ پر غور

کریں۔ پوری آیت یوں ہے:

رَبَّنَا مَا كَفَرْنَا لَكُمْ وَنَا اتَّوَّاعِنَا لَكُمْ

اِنَّا سِئْتُمْ وَقَدَّمُوا لَنَا نَفْسِكُمْ وَالْقَوْلَ لِلّٰهِ

وَاَعْلَمُوا اَنَّكُمْ مَلَائِكَةٌ وَابْتِئْتُمُ الْمُؤْمِنِيْنَ

اور (اے پیغمبر) بشارت دیجئے ان کو جو ایمان والے ہیں۔

قرآن حکیم نے میاں بیوی کے جنسی فعل کے ذکر کے فوراً بعد ارشاد فرمایا: وَقَدَّمُوا لَنَا نَفْسِكُمْ جِسْمًا

خورت ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادر نے یوں فرمایا ہے: ”اور اپنے واسطے آگے کی تدبیر کرو۔“ یعنی قرآن حکیم کو جنسی

فعل کے طرفتوں سے بچت نہیں۔ وہ تو یہ یاد دلانا چاہتا ہے کہ زندگی کا یہ اہم ترین فعل اپنے ساتھ گراں بار زندہ ارباب

لانا ہے جن کے واسطے مستقبل کی تدبیریں ضروری ہیں۔ اسی لئے وہ کہتا ہے کہ ”اپنے واسطے آگے کی تدبیریں کرو۔“

انسان کے ہر عمل کا نتیجہ اسی دنیا میں جلد یا بدیر اس کے آگے آتا ہے۔ اور ان نتائج کا ختم ہونے والا سلسلہ

(CHAIN REACTIONS) قیامت کے دن تک جاری رہتا ہے۔ اسی لئے قرآن حکیم کی بار بار تاکید ہے

کہ جزا و سزا کے دن کو دُور نہ جانو۔ وہ تم سے قریب بلکہ قریب تر ہے۔ جو آیت ہمارے زیر غور ہے، اس میں آگے

کی تدبیر کرنے کی ہدایت کے بعد قیامت کے دن اللہ کے آگے حاضر ہونے اور آخری جزا و سزا پانے کا ذکر ہے اور

لے اپنے کئے کے نتیجے سے غافل نہ ہو کیونکہ گندم کے بیج سے گندم اور جو کے بیج سے جو ہی اگتا ہے۔

سب سے آخر میں بشارت ہے ایمان والوں کے لئے یعنی ایمان کا تعاضب یہ ہے کہ انسان اپنے اعمال کے فوری اور قیادت
یہم نہ ختم ہونے والے نتائج سے آگاہ رہے۔ جو لوگ ان نتائج سے آگاہ رہ کر زندگی کے راستوں پر بچ کر چلتے ہیں وہی
منفق ہیں اور یقیناً ان ہی کے لئے دین و دنیا دونوں میں بھلائی ہے۔

(۳) زنا اور نکاح عمل کے لحاظ سے یکساں اور نتیجہ کے لحاظ سے یکسر مختلف ہیں۔ نکاح کی صورت میں جنسی
نفل کے نتیجہ کے طور پر حمل ٹھہر جائے تو میاں بیوی دونوں بچے کی پوری پوری کفالت اور بقدر استطاعت بہترین
تربیت کا ذمہ لیتے ہیں اور معاشرہ اس ذمہ داری کا بار اٹھانے میں ان کی اخلاقی تائید کرتا ہے۔ زنا کی صورت میں بچہ
کم و بیش بے سہارا رہتا ہے۔ معاشرتی لحاظ سے (SOCIOLOGICALLY) زنا اور نکاح کا یہ بنیادی فرق
ہے اور نکاح کی حکمت اسی میں مضمر ہے۔ اپنے نتائج کے اعتبار سے شادی شدہ جوڑے کا وہ جنسی نفل نکاح کی اس
حکمت کا صحیح معنوں میں حامل ہے، جس میں بچے کو پالنے پوسنے کی ذمہ داری کا زوجین کو پورا پورا احساس ہوا اور
انہیں یقین ہو کہ وہ آنے والے بچے کی بخوبی کفالت کر سکتے ہیں۔ خاندانی منصوبہ بندی نکاح کی اس حکمت
پر زور دیتی ہے۔

ہمارے بعض بزرگ خاندانی منصوبہ بندی کے اس لئے مخالف ہیں کہ ان کے نزدیک استقرار حمل کا ڈر
زنا سے روکنے کا سب سے اہم ذریعہ ہے اور ضبط ولادت کی تدبیریں اس ڈر کو دلوں سے نکال دیتی
ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ استقرار حمل کے ڈر کے ذریعہ زنا کو روکنے کا خیال اتنا ہی لغو ہے جتنا بائبل عورتوں کی عصمت
پر بہتان لگانا۔ بلکہ اس کے برعکس استقرار حمل کا ڈر آبادی کے بڑے حصے کو جو نیچے پالنے کی سکت نہیں رکھتا، زنا اور
اس سے بھی کہیں زیادہ بُری جنسی کج رویوں (SEXUAL PERVERSIONS) کی طرف لے جاتا ہے
علاوہ ازیں زنا کی سزا بچے کو دینا اور اسے بطور یرغمال استعمال کرنا قرآن حکیم کے تصور عدل کے سراسر منافی ہے کہ
وَلَا تَسْرِ رُؤُوسَ الَّذِينَ يَدْرَأُونَ وَلَا نِسَاءَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ وَمَنْ سَارَ سَبِيلَ اللَّهِ فَبِمَا كَسَبَتْ يَدَاؤُهُ يُضَاعَفْ لَهَا كَسَبَاتُ خَمْسٍ أَلْفِ مِائَةٍ ۖ وَلَا تَجْرِمْنَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْحَدِيثِ فِيهِ مَبْرُؤُومًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ مَا نَبَّأَ بِالْحَقِّ فَقَدِ ابْتَدَأَ ضَلَالًا مُّبِينًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ مَا نَبَّأَ بِالْحَقِّ فَقَدِ ابْتَدَأَ ضَلَالًا مُّبِينًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ مَا نَبَّأَ بِالْحَقِّ فَقَدِ ابْتَدَأَ ضَلَالًا مُّبِينًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ مَا نَبَّأَ بِالْحَقِّ فَقَدِ ابْتَدَأَ ضَلَالًا مُّبِينًا ۚ
لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا أُكْتَسِبَتْ (۲: ۲۸۶) ہر ایک کو جزا یا سزا ملے گی صرف اسی کام کی جو اس نے کیا۔
غرض خاندانی منصوبہ بندی شادی شدہ جوڑے کو ضبط نفس عاقبت بینی اور احساس ذمہ داری کی
تعلیم دیتی ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ اس منصوبہ کی ترغیب و تبلیغ (MOTIVATION) میں اس کے اخلاقی
پہلو پر زیادہ سے زیادہ زور دیا جائے۔ کیونکہ ارشاد بنوی

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ (صحیح بخاری) اعمال نینوں سے ہیں

عظیم نفسیاتی حقیقت پر مبنی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اولادِ اطہار

حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت قرآن مجسم ہے! اسی لئے قرآن کا قول اور رسول کا عمل ایک دوسرے کے شارح اور مؤید ہیں۔ اولاد کی قلت و کثرت کے بارے میں قرآنی تعلیم کا عملی نمونہ سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نظر آتا ہے۔

بعثت سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں تھیں جن میں سے صاحبزادے قاسم بچپن ہی میں انتقال فرما گئے تھے۔ عہد نبوت کے تیس سال میں آپ کے یہاں صرف ایک صاحبزادہ ابراہیم تولد ہوئے جو حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے تھے۔ ان کا بھی بچپن ہی میں انتقال ہو گیا۔

آپ کی ازواجِ مطہرات میں سے سوائے امّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے کسی کے ہاں آپ سے اولاد نہیں ہوئی اور جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا، حضرت خدیجہؓ کی اولاد بھی بعثت سے پہلے ہی تولد ہو چکی تھی۔ آپ کی اولاد کی اس قلت بالخصوص اولادِ زینہ کے نہ ہونے پر کثرتِ اولاد کے متوالے آپ کو طعنے دیتے تھے۔ آپ کو "الایت" یعنی بے اولاد کے خطاب سے یاد کرتے تھے۔ لیکن قرآن حکیم نے واضح کر دیا کہ اصل سرمایہ اخلاقی اقدار میں قرآن نے کہا کہ ولید بن مغیرہ جیسے کثرتِ اولاد پر نازاں سردارانِ قریش ہی دراصل بے اولاد ہیں۔ اس لئے کہ وہ نیک اعمال سے محروم ہیں۔

إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ (۱۰۸: ۳) اس میں کچھ شک نہیں کہ لے رسول تمہارا دشمن ہی بے اولاد ہے۔

عرض اولاد کی صلاحیت و صالحیت سے قطع نظر اس کی محض کثرت و قلت کے بارے میں ایک طرف ولید بن مغیرہ کا شیوہ ہے اور دوسری طرف محمد بن عبد اللہ کا اسوہ ہے۔ آپ پر ہماری آل اولاد قربان۔

لَعَدَّ كَان لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ اے مسلمانو! تمہارے لئے بہترین نمونہ رسول اللہ کی سیرت

أَسْوَأَ حَسَنَةٍ (۳۲: ۲۱) میں ہے۔

وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ

